الاخوان المسلمون اور مصر کی فوجی حکومت

یہ مضمون بیروت (شام) سے شائع ہونے والے ایک عربی روزنامہ "الطرف" مورخہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ میں چھپا ہے۔ ابتداءً "ترجمان القرآن" میں شائع کرنے کی غرض سے اس کا ترجمہ کیا گیا تھا، لیکن "ترجمان" کی طباعت سے قبل معلومات کی اہمیت کے پیش نظر اسے روزنامہ "تسنیم" کے اخوان نمبر میں بھی نقل کر دیا گیا تھا۔ قارئین ترجمان کے خاص حلقے کے لیے امید ہے کہ اس کی دوبارہ اشاعت بے سود نہیں ہوگی۔

مصر کی فوجی حکومت کا الزام مصر کے موجودہ فوجی حکمران اس بات کے مدعی ہیں کہ "الاخوان المسلمون کا رویہ فوجی انقلاب کے بارے میں ہمیشہ سے منفیانہ اور معاندانہ رہا ہے۔ انہوں نے انقلابی تحریک کی شروع ہی سے مخالفت کی ہے، اُسے ناکام بنانا چاہا ہے اور اس کے خلاف مسلسل پراپگنڈا کیا ہے۔ انہوں نے فوج اور پولیس کے اندر باقاعدہ تنظیمیں قائم کی ہیں اور حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے ایک ملک گیر سازش تیار کی ہے۔ اس کے بعد اخوان کے قائدین نے انگریزوں سے خفیہ گٹھ جوڑ کی ہے اور ان سے مل کر فوجی حکومت کے خلاف منصوبہ بنایا ہے۔ اس پر حکومت نے اخوان کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد انہیں دوبارہ کام کرنے کا موقع دیا گیا لیکن وہ اپنی سابق روش اور جوڑ توڑ سے باز نہ آئے حتیٰ کہ انہوں نے وزیر اعظم جمال عبدالناصر کے قتل کے لیے سازش کی۔ ان حالات میں یہ امر ناگزیر تھا کہ اخوان کا خاتمہ کر دیا جائے اور مصر کو رجعت پسند اور تخریبی عناصر سے پاک کر دیا جائے۔"

اخوان کا جواب اس کے بالمقابل اخوان کا بیان یہ ہے کہ فوجی انقلاب کے علمبرداروں اور الاخوان المسلمون کے مابین ابتدائی فضا تعاون و اشتراک کی تھی۔ شروع میں انقلابیوں نے جو اقدامات بھی کیے ہیں وہ فوج اور پولیس کے ان افسران کے بل پر کیے ہیں جو اخوان سے تعلق رکھتے تھے اور ہر قدم پر اخوان نے حکمرانوں کے حق میں قوم کی رائے کو ہموار کرنے کی کوشش کی ہے۔ موجودہ ارباب اقتدار کے ساتھ اخوان کے روابط موجودہ انقلاب سے بہت قبل ۱۹۴۵ء سے قائم ہیں۔ اخوان کے جو حلقے اُس وقت فوج میں موجود تھے ان کے اجتماعات میں جمال عبدالناصر، عبداللطیف بغدادی

کمال الدین حسین، حسن ابراہیم، خالد محی الدین، حسین شافعی وغیرہ شریک ہوا کرتے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں جب جماعت اخوان کو توڑ دیا گیا تو اُس وقت جمال عبدالناصر اور ان کے ساتھیوں نے آزادی پسند فوجی افسروں کی ایک الگ تنظیم بنائی لیکن اخوان کے ساتھ ان کے مراسم بہت اچھے رہے حتیٰ کہ جس وقت فاروق کے خلاف مسلح انقلاب کا پروگرام بنایا جارہا تھا اُس وقت یہ افسر اور اخوان مِل جُل کر کام کر رہے تھے۔ عین اُس وقت جب کہ قاہرہ پر قبضہ کر لینے کی تیاریاں ہو رہی تھیں فاروق کو کچھ شبہ لاحق ہو گیا۔ اور اُس نے اسلحہ کی تلاشی کے لیے احکام جاری کر دئے۔ فوجی افسروں نے اس موقع پر اخوان سے مدد چاہی تاکہ افسران کی رہائش گاہوں میں جمع شدہ ہتھیاروں کو کسی دوسری محفوظ جگہ پہنچایا جائے۔ اس وقت قاہرہ کی حالت یہ تھی کہ چاروں طرف فاروق کے حامی سپاہی پھیلے ہوئے تھے، اکثر مقامات پر گولی چل رہی تھی، سڑکوں پر ہتھیار اور اسلحہ کا ذخیرہ لے کر نقل وحرکت کرنا تو کجا، نہتے آدمی کا چلنا پھرنا بھی موت کے منہ میں جانے کے ہم معنی تھا۔ اس آگ اور خون کی بارش میں اخوان اپنی گاڑیاں لے کر فوجی حکام کے گھروں تک پہنچے اور وہاں سے سامانِ جنگ لادلاد کر حسن عشماوی (خلف الاستاذ محمد حسن عشماوی پاشا) کے ہاں جمع کرتے رہے۔ جمال عبدالناصر کی اپنی ہدایات اور نگرانی کے تحت یہ ذخیرہ عشماوی صاحب کی زمین کے ایک دور افتادہ حصے میں چھپا دیا گیا تھا، گذشتہ جنوری میں جب اخوان کو خلاف قانون قرار دے کر اُن کے رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کیا گیا تھا تو اسلحہ کا بھی ذخیرہ تھا جسے ڈرامائی انداز میں چھاپہ مار کر برآمد کیا گیا تھا، ساتھ ہی حسن عشماوی صاحب کو بھی بے گناہ پکڑ کر فوجی جیل میں ٹھونس دیا گیا تھا اور اُن کے خلاف یہ جھوٹا الزام بھی عائد کر دیا گیا کہ وہ نظامِ حکومت کو الٹنے کے لیے اسلحہ جمع کر رہے تھے۔ احسان شناسی کا یہ ایک عجیب وغریب اور انوکھا طریقہ ہے جسے موجودہ فوجی انقلاب پرستوں نے ایجاد کیا ہے! موجودہ برسراقتدار گروہ کے حسن سلوک کی یہ واحد مثال نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس کسی نے بھی خاموشی اور اخلاص کے ساتھ ان سے تعاون کیا ہے اس کا حشر ایسا ہی ہوا ہے۔ مثلاً کرنل رشاد مہنا کو (جو ملٹری کالج کے استاذ تھے) حبسِ دوام کی سزا دے دی گئی ہے اور وہ اس وقت فوجی قید خانے کی تاریک اور سنگین کوٹھڑی میں بند ہیں۔ کرنل یوسف جو ہتھیار اٹھا کر لڑنے والوں کی صف اوّل میں شریک تھے اور احمد شوقی جنہوں نے ریڈیو سٹیشن کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا دونوں ملٹری جیل کے مکین ہیں۔ کرنل خالد محی الدین سوئٹزرلینڈ میں جلاوطنی کے ایام بسر کر رہے ہیں۔ اسی طرح بے شمار حریت پسند فوجی افسر ایسے ہیں جنہیں یا تو علیحدہ کر دیا گیا ہے یا گرفتار کر لیا گیا ہے ایسے افسروں کی گنتی ہزار سے

نزائد تک پہنچتی ہے ۔

اخوان کا حکومت سے تعاون اخوان کا یہ کہنا ہے کہ ان ابتدائی نازک مراحل میں الاخوان المسلمون اور فوج کے حکام کا تعاون اتنا زیادہ تھا کہ مصر اور بیرون مصر میں عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ مصر میں یہ انقلاب اخوان نے ہی برپا کیا ہے ۔ حالانکہ اخوان کی خواہش شروع سے یہ تھی کہ اس جدوجہد میں جو حصہ انہوں نے ادا کیا ہے اُس کی روداد منظرِ عام پر نہ آئے تاکہ دنیا بھر کی وہ طاقتیں اور سلطنتیں جنہیں اخوان اور اسلام کے خلاف دلی بغض و عناد ہے اس نوخیز انقلاب کی راہ روکنے پر کمربستہ نہ ہو جائیں ۔ بہرکیف یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مصر کی اس تحریک آزادی میں اخوان کی کوششوں کو ایک اہم مقام حاصل ہے ۔ ایک طرف تو فوج اور پولیس میں اخوان کے آدمی انقلاب کا راستہ ہموار کر رہے تھے، اور دوسری طرف شہری آبادیوں میں ہزارہا اخوان سڑکوں اور بازاروں میں پہرہ دار بن کر کھڑے ہو گئے تاکہ وہ غیر ملکی اداروں، سفارت خانوں اور شہروں کے ان حصوں کی حفاظت کریں، جہاں اجنبی اقوام کے شہری بستے ہیں ۔ وہ عوام کے اندر پُرامن انقلاب کے لیے داعی بن کر نکل آئے تاکہ شہروں اور دیہات میں امن کو بھی بحال رکھ سکیں اور لوگوں کو اس تحریک کا حامی بھی بنائیں ۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اخوان اس جنگ آزادی کا دل و دماغ دست و بازو اور روح رواں تھے اور انتہائی خطرناک مراحل میں اس جنگ کے لیے فکری تائید اور قومی بنیاد اخوان نے ہی فراہم کی ہے ۔ فاروق نے اپنے خود نوشت سوانح حیات میں اس امر کی پوری صفائی اور وضاحت کر دی ہے کہ فوجی انقلاب کے اس کے خلاف ہو جانے اور اس کے سامنے سپر ڈال دینے کی اوّلین اور بنیادی وجہ یہی تھی کہ اس کی پشت پر اخوان کی طاقت موجود تھی ۔ اس لحاظ سے یہ ایک مجرد فوجیوں کی شورش نہیں تھی جس کا دبا لینا آسان ہوتا، بلکہ یہ ایک ہمہ گیر قومی جہاد تھا جس کا مقابلہ بڑا دشوار تھا ۔ جنرل محمد نجیب نے شروع میں جب مصر کا دورہ شروع کیا تھا، اُس وقت اخوان نے ہر مقام پر عظیم اجتماعات کی شکل میں اُن کا استقبال کیا ، چنانچہ جب وہ قاہرہ واپس آئے تو انہوں نے اخوان کا شکریہ ادا کیا اور علانیہ اخوان کی تعریف و توصیف کی ۔ جمال عبدالناصر جب قاہرہ یونیورسٹی کا معائنہ کرنے آئے تھے تو وہاں کچھ لوگوں نے انقلابیوں اور اینگلو امریکی ایجنٹوں کے خلاف نعرے لگانے کا خفیہ پروگرام بنایا تھا ۔ لیکن اخوان کو چونکہ یونیورسٹی کے طلبا میں پچاسی فیصد سے بھی زیادہ کی حمایت حاصل ہے اس لیے انہوں نے اس پروگرام کو ناکام بنا دیا تاکہ مصر کے دشمن یہ نہ خیال کریں کہ تعلیم یافتہ طبقہ انقلاب کے حق میں نہیں ہے ۔

اخوان نے جن مختلف پیرایوں میں فوجی تحریک کی اعانت کی ہے، ان کی صرف چند مثالیں اوپر بیان ہوئی ہیں۔ نصرت و تائید کی یہ صورتیں بالکل فطری تھیں۔ اس کے متعدد وجوہ تھے۔ ایک تو فوجیوں کے ساتھ اخوان کے دیرینہ مراسم تھے۔ دوسرے اخوان پہلے سے ہی فاروق کے خلاف معرکہ آرا تھے اور اس کے استبداد اور ظلم و ستم کا نشانہ جس طریق پر اخوان بن رہے تھے، اس طرح کوئی اور فرد یا گروہ نہیں بن رہا تھا۔ اس سلسلے میں جن مظالم و شدائد، جن مصیبتوں اور اذیتوں میں اخوان کو مبتلا ہونا پڑا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ پھر فوجی انقلاب کے سربراہ کاروں نے اخوان کو یہ یقین دلایا تھا کہ ان کا اصل نصب العین اسلام کا غلبہ اور اسلام کی حکومت ہے جسے وہ تدریجاً حاصل کریں گے۔

اخوان نے ان کے وعدے کو تسلیم کیا۔ انقلاب کے وقوع کے ایک ماہ بعد مرشد عام شیخ الہضیبی نے محمد نجیب اور جمال عبدالناصر سے کہا تھا کہ "اگر آپ ابھی اسلام کا نام لیتے ہوئے ڈرتے ہیں تو کم از کم امکانی حد تک اس کے لیے کام تو کرنا شروع کر دیں"۔ نرمی کی یہ آخری حد تھی جہاں تک اخوان جا سکتے تھے اور فوجی حکومت کے بالمقابل اخوان کا رویہ ہمیشہ اسی نہج پر رہا۔ مرشد عام جو تیس سال تک عدالت عالیہ کے جج اور ممتاز قانونی مشیر رہ چکے ہیں، ان کے بارے میں یہ خیال کرنا قطعاً غلط ہے کہ وہ قانونی حدود یا دستوری مقتضیات کا فہم نہیں رکھتے یا وہ دقتِ نظر اور وسعت فکر سے محروم ہیں۔

فوجی حکام کے غیر اسلامی اقدامات

لیکن دین اور اسلام کی خدمت کے جو دعوے فوجی حکام نے کیے تھے، بہت جلد ان کی عملی خلاف ورزیوں کا آغاز کر دیا گیا۔ ان خلاف ورزیوں کا مظاہرہ مختلف طریقوں سے کیا گیا۔ "فطار الرحمہ" کے نام سے تقریبات کا انعقاد شروع ہوا، ان میں ایکٹروں، بھانڈوں، گویوں اور رقاصاؤں کو شریک کیا گیا اور علانیہ بے حیائی، فحاشی اور بوس و کنار کا ارتکاب کیا گیا۔

اس کے علاوہ "مقابلۂ حسن و جمال" کی ایسی مجالس گرم کی گئیں جیسی اس فاروق کے عہد میں بھی قائم نہ ہوئی تھیں جس کی عیاشی رسوائے روزگار ہے اور جس کی عیاشی ہی کی وجہ سے اخوان اور فاروق کے درمیان ہمیشہ ٹھنی رہتی تھی۔ بیرونی ممالک کے سیاحوں کے لیے "مرشدات" (رہنمائی کرنے والی لڑکیوں) کا ایک ایسا نظام قائم کیا گیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ پھر رمضان کے مبارک مہینے کی راتوں میں ایسے "تفریحی اجتماعات" منعقد کیے گئے جن میں شرمناک مشاغل سحری کے وقت بھی جاری رہتے تھے، حالانکہ فاروق بھی (ازراہ نفاق ہی سہی) ان اوقات میں تلاوت قرآن کا بندوبست کیا کرتا تھا۔ محکمہ امور عامہ کی طرف سے ان سارے پروگراموں کی سرپرستی کی گئی۔ ان سارے واقعات کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ اخوان اور فوجی

حکومت کے درمیان اختلاف کی ایک وسیع خلیج حائل ہوگئی کیونکہ ان دونوں کے درمیان اشتراک و اتحاد پیدا کرنے والی چیز فقط کلمۂ اسلام تھا۔ اس خلیج کا پاٹنا کسی فرد کے بس کی بات نہیں تھی۔ اخوان اور فوجی افسران کے مابین تعاون کی فضا محض اصلاح کے وعدوں اور توقعات کی بنا پر قائم ہوئی تھی، اس سے مقصود تعاون علی الاثم اور ایسے منکرات میں ساتھ دینا نہیں تھا جن کی نظیر فاروق کے زمانے میں بھی نہیں ملتی۔

"ھیئۃ التحریر" کی تشکیل اس کے بعد موجودہ حکمرانوں نے "ھیئۃ التحریر" کے نام سے ایک نئی پارٹی کی داغ بیل ڈالی اخوان نے انہیں نصیحت کی کہ وہ ایسا کرنے سے باز رہیں۔ شیخ حسن الہضیبی نے ان سے کہا کہ "ایسا اقدام اُن کے مفاد اور قومی مصلحت کے خلاف ہوگا۔ ان کا تعلق یکساں طور پر پوری قوم سے ہونا چاہیے۔ ان کا ایک جماعت سے اپنے آپ کو منسوب و محدود کرنا صحیح نہیں ہے۔ فوج اور پولیس کے یہ بس کا روگ نہیں ہے کہ وہ پارٹیوں کی تاسیس و تشکیل کریں۔ اس اقدام کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مفاد پرست اور ابن الوقت قسم کے لوگ اس پارٹی پر چھا جائیں گے اور اس کے نام پر ناجائز فائدے حاصل کریں گے اور یہ امر حکومت اور انقلابی تحریک کے لیے نقصان اور بدنامی کا موجب ہوگا"۔ یہ رائے فقط اخوان ہی کی نہیں تھی خود جنرل محمد نجیب نے انقلابی مجلس کے ایک اجلاس میں اسی طرح کا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا "میری یہ رائے ہے کہ جماعت اخوان ہی کو انقلابی تحریک کی بنیاد بنایا جائے۔ ان میں اخلاص کی قوت اور عقیدے کی طاقت ہے، وہ دنیائے عرب کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں اور ایک نہایت مضبوط اور وسیع تنظیم کے حامل ہیں۔ البتہ ہمیں اُن کی صرف غیر رسمی اور اخلاقی تائید پر قناعت کرنی چاہیے تاکہ ایک طرف ہمیں ان کا تعاون بھی حاصل رہے اور دوسری طرف مغربی اقوام کے سامنے ہم پر اخوان کی اُس دعوت کی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہو جس کے خلاف یہ قومیں انتہائی خوف اور عناد کے جذبات رکھتی ہیں"۔ جنرل نجیب نے اپنے بہت سے قریبی دوستوں سے یہ کہا تھا کہ "بعض عناصر "ھیئۃ التحریر" کا ناجائز استعمال کریں گے، اور اس کے نتیجے میں ہمارے تعلقات اخوان سے بگڑ جائیں گے، کیونکہ وہ بیس سال سے ایک واضح اور متعین دعوت کے علمبردار ہیں۔ اور اس راستے میں انہیں عظیم آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ نہ تو ہم اخوان کو اپنے موقف سے منحرف کر سکتے ہیں اور نہ ہم چند دنوں یا چند مہینوں میں کسی ایسی قومی تحریک کو جنم دے سکتے ہیں جو انقلاب کے تقاضوں کے شایاں شان ہو اور جو اخوان کی تنظیم کی مدمقابل قرار پا سکے"۔

بجائے اس کے کہ انقلابی کونسل کے ارکان کی طرف سے اس مخلصانہ مشورہ کا خیر مقدم کیا جاتا، اس کے نتیجے میں

اخوان اور کونسل کے مابین بُعد اور زیادہ ہو گیا، بلکہ انقلابیوں نے اخوان کے ارکان کو ھیئۃ التحریر میں جبراً شامل کرنے کی ناکام کوششیں بھی کیں۔ قدرتی طور پر اخوان نے نوجیوں سے اپنی برأت کا اظہار کیا کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ خدا وخلق کے سامنے ایک ایسی پارٹی کے اعمال کی ذمہ داری قبول کریں جو نہ ان کے نظریات کی پابند تھی اور نہ اُن کے مشورے قبول کرتی تھی تاہم اخوان چونکہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ قوم کسی داخلی انتشار میں مبتلا ہو اس لیے مرشد عام نے انقلاب پسندوں کے نام یہ پیغام بھجوایا کہ "ھیئۃ التحریر" کے پہلو بہ پہلو اخوان کی تنظیم کے موجود ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دونوں کے درمیان کوئی مخاصمت ہے یا اخوان اُن کے حریف ہیں۔ اخوان ایک قدیمی تحریک اور دائمی دعوت کے داعی ہیں، تاہم وہ اس کے لیے آمادہ ہیں کہ اگر ہیئت کوئی نافع پروگرام وضع کرے تو اخوان اس کا ساتھ دیں"۔ اخوان نے اپنے وعدے کی صداقت کا ثبوت اس طرح دیا ہے کہ جب نیشنل گارڈز کی عسکری تنظیم شروع کی گئی تو اس کی اکثریت اخوان کے نوجوان پر ہی مشتمل تھی۔

ظلم وتشدد کا آغاز اس کے بعد جمال عبدالناصر نے مرشد عام سے اس امر کی ضمانت اور صراحت طلب کی کہ اخوان کے فوجی اور پولیس کے حلقوں کو ختم کر دیا جائے گا۔ مرشد عام نے جواب دیا کہ "آپ یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں، مگر ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس بات کی ضمانت دیں کہ فوج اور پولیس کے اندر اسلامی اسپرٹ اور اخلاقی اقدار کے برقرار رکھنے کا اطمینان بخش طریق پر انتظام کیا جائے گا"۔ لیکن جمال عبدالناصر نے اس پر جو فوری قدم اٹھایا وہ یہ کہ اُن تمام افسران کو دور دراز مقامات پر بھیجنا شروع کر دیا جن کے بارے میں یہ معلوم تھا کہ وہ اخوان سے تعلق رکھتے ہیں یا دینداری اور صلاح وتقویٰ کے لحاظ سے معروف ہیں۔ بہت سے افسروں کو معزول کر دیا گیا اور جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ بالکل اسی قسم کی کارروائیاں پولیس میں بھی کی گئیں پھر ملٹری اور پولیس کے کالجوں کو احکامات دیئے گئے کہ وہ کسی ایسے طالب علم کو داخل نہ کریں جس کے بارے میں یہ شبہ بھی ہو کہ وہ اخوان کا ہم خیال ہے۔ بلکہ اس کے بعد تمام مدارس ثانویہ کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ وہ سی، آئی، ڈی اور فوج کو ایسے طلباء کے بارے میں معلومات دیں جن کے بارے میں اخوان سے ہمدردی کا گمان کیا جا سکتا ہو۔ ان ناموں پر مشتمل بلیک لسٹیں تیار کی گئیں تاکہ وہ ملٹری کالج اور پولیس کالج کے ارباب کو مہیا کی جائیں اور انہیں ہدایت کی جائے کہ وہ ان نوجوانوں کو کالجوں میں نہ لیں۔ اخوان یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھتے اور سنتے رہے لیکن انہوں نے اس کے خلاف کوئی زبانی یا عملی احتجاج نہ کیا مبادا کہ مصر میں امن وسلامتی خطرے میں پڑ جائے۔ اس کے بعد سول آفیسرز کے معاملے میں بھی یہی طرز عمل اختیار کیا گیا اور لاتعداد

افسران کو دور دراز علاقوں اور دیہات میں تبدیل کیا جانے لگا۔ اخوان نے اس پر بھی صبر و سکوت کے دامن کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

انگریزوں سے گفت و شنید اس کے بعد انقلابی کونسل اور برطانیہ کے مابین گفت و شنید کا مرحلہ درپیش آیا۔ اسی دوران میں برطانوی سفارت خانے کے مشیر مسٹر ایونز نے الاستاذ الہضیبی سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ ایک مشن کے حامل اور ایک جماعت کے قائد کی حیثیت سے مرشد عام کو پورا حق پہنچتا ہے بلکہ اُن پر واجب ہے کہ وہ ہر انسان کے سامنے اپنا نظریہ اور نکتۂ نظر پیش کریں خصوصاً جب کہ وہ خود اس کا طالب ہو۔ تاہم مرشد عام نے اس دعوت نامے کو قبول کرنے سے پہلے کونسل کے ارکان کو اس سے آگاہ کر دیا اور اُن سے اس بارے میں رائے بھی طلب کی۔ پھر اس ملاقات کے فوراً بعد مرشد عام نے انقلابی کونسل کو اس کی پوری روداد سے بھی باخبر کر دیا۔ شیخ الہضیبی نے بتایا کہ انہوں نے برطانیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ نہر سویز کا انخلاء کلی اور غیر مشروط طور پر ضروری ہے۔ اور آئندہ کسی عالمگیر جنگ کے موقع پر مصر کسی قسم کی پابندی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے بلکہ وہ خود بھی بالکل آزاد اور غیر جانبدار رہنا چاہتا ہے اور پورے عالم عرب اور عالم اسلام کو بھی اسی حیثیت میں دیکھنے کا متمنی ہے۔ اُس وقت کسی انسان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اس ملاقات اور ان مذاکرات کو کچھ عرصہ بعد بالکل غلط اور الٹے رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اسے بہانہ بنا کر اخوان کے قائد اور سینکڑوں ارکان کو فوجی زندان خانوں میں ڈال دیا جائے گا اور ڈھائی ماہ تک بغیر تحقیق و مقدمہ کے قید تنہائی میں مبتلا رکھا جائے گا۔ دنیا پر اب یہ حقیقت بالکل آشکارا ہو چکی ہے کہ مصری قوم اور مصری ریاست کے مفاد کے خلاف انگریزوں سے ساز باز کرنے والے آیا اخوان تھے یا کوئی اور تھا۔

اس موقعہ پر جنرل نجیب اور کرنل جمال عبدالناصر میں اختلاف پیدا ہو گیا، مصر کے امن عامہ میں خلل رونما ہو گیا، اور ملک سعود نے فوجی حکومت سے سفارش کی کہ وہ اخوان کے جملہ اسیران کو رہا کر کے انہیں جماعتی سرگرمیاں بحال کرنے کی غیر مشروط اجازت دے۔ فوجی حکومت نے ایسا کرنے کا وعدہ کیا لیکن یہ وعدہ شرمندۂ تعمیل نہ ہو سکا۔ مرشد عام اور چند ارکان کو تو رہا کیا گیا لیکن نہ تو اخوان کو خلاف قانون قرار دیئے جانے کا حکم واپس لیا گیا اور نہ اخوان کے فوجی افسروں کو آزاد کیا گیا، بلکہ اخوان کی صفوں میں تفریق پیدا کرنے کی کوششیں کی گئیں، جن کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح حسن الہضیبی سے نجات حاصل کی جائے۔ اور اخوان کو ان سے بدظن کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت کے خیال میں وحدتِ اخوان اور ان کی ایک مستقل جماعتی اور سیاسی پالیسی کا اصل

انحصار ھضیبی کی ذات پر تھا۔ حکومت کی اسی روش کا نتیجہ تھا کہ مصر کے اخبارات میں مرشد اور ارکان کے مبینہ اختلافات سے متعلق متعدد من گھڑت افسانے اور فرضی قصے شائع ہوتے رہے۔

معاہدۂ سویز اور اخوان کا موقف برطانیہ سے گفت و شنید کے بعد اب اُن سے باقاعدہ معاہدہ طے کیے جانے کا وقت آپہنچا۔ اس موقع پر پھر ایک مرتبہ اخوان کو ظلم و ستم اور جبر و تشدد کے ذریعے کچلنے کا فیصلہ کیا گیا۔ گذشتہ موقع پر ان پر بہتان یہ تھا کہ وہ انگریزوں سے گٹھ جوڑ کر رہے ہیں، اب کی مرتبہ الزام یہ تراشا گیا کہ وہ حکومت اور انگریزوں کے مابین مجوزہ معاہدۂ سوئز کے خلاف زبان کھول رہے ہیں۔ اخوان کے لیے آخر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ایسے معاہدے کے موقع پر خاموش رہتے جس میں ایک طرف نہر سوئز کا نمائشی تخلیہ تجویز کیا جارہا ہو۔ اور دوسری طرف ایسی شرائط طے کی جارہی ہوں جن میں مصری حقوق کی صریح پامالی صاف نظر آرہی ہو، مشترک دفاع کے نام سے مصر کو جنگ کے خونخوار دیوتا کی گاڑی میں زبردستی جوتا جارہا ہو اور پھر مصر کے ذریعے سے دوسرے تمام اسلامی ممالک کو بھی اسی خونیں لپیٹ میں لیا جارہا ہو۔ صورت حالات کی اس نزاکت اور سنگینی کے باوجود اخوان نے جو صدا بلند کی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ھضیبی صاحب سے جب دمشق کے دورے میں معاہدے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے مختصراً اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر دیا اور اخوان کے ایک وفد نے اس معاہدے کے بارے میں جمال عبدالناصر سے ملنا چاہا، لیکن جب اس کی اجازت نہ ملی تو اخوان کی مجلس عاملہ نے اس بارے میں غور و فکر کے بعد اپنی رائے ایک باقاعدہ مدلل قرارداد کی شکل میں جمال عبدالناصر کے نام ارسال کر دی۔ اخوان نے اس کے ساتھ اپنی قرارداد کے پریس میں شائع کرنے کی اجازت طلب کی، لیکن محکمہ سنسر نے انکار کر دیا۔ اس پر اخوان نے اس قرارداد کو ایک منشور کی شکل میں طبع کرا کر ایک ہی دن میں پورے مصر میں پھیلا دیا۔ انقلابی مجلس کی نظر میں اخوان کا یہ عظیم ترین جرم تھا جس پر انہیں باغی، خائن، رجعت پسند اور تخریب انگیز اور نہ جانے کیسے کیسے خطابات سے نوازا گیا اور حکومت کے ترجمان "الجمہوریہ" نے اخوان کے خلاف مسلسل کئی ہفتوں تک لعن طعن اور پراپیگنڈے کی مہم کو جاری رکھا۔ حالانکہ انقلابی کونسل کو اس بات کا ہرگز حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اخوان یا کسی دوسرے فرد یا جماعت کو اس معاہدۂ سوئز یا مصر کے کسی دوسرے قومی معاملے میں اظہار خیال سے روکے۔ سرزمین مصر کسی خاص شخصیت یا جماعت کی ملکیت نہیں ہے۔ اخوان کی سابقہ تاریخ کے ابواب اس عظیم الشان جہاد کی داستانوں سے بھرپور ہیں، جو انھوں نے نہر سویز میں انگریزوں کے خلاف سرانجام دیا ہے۔ آخری خونریز معرکے کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور سوئز کی سرزمین پر سے عادل غانم، عمر شاہین، احمد النبی اور اخوان کے

دوسرے نوجوان طلبہ کا پاکیزہ اور گرم خون ابھی تک خشک نہیں ہوا۔ ان تمام شہداء نے اپنی قیمتی اور عزیز جانیں اسی لیے نثار کی ہیں کہ مصر کو دین اور وطن کے دشمنوں سے پاک کیا جائے۔ اخوان سے آخر کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس معاملے میں لب کشائی نہ کریں گے جو مصر اور اسلام کی موت و حیات کا معاملہ ہے۔ کیا فوجی حکمران یہ چاہتے تھے کہ اخوان کو جب جیلوں سے نکالا گیا تو اس رہائی کی قیمت وہ اس شکل میں ادا کرتے کہ حکومت کے ہر فعل پر آمنّا و صدّقنا کہتے یا مہر لب رہتے حتیٰ کہ حکمران اگر دین و وطن کے دیرینہ دشمنوں سے سمجھوتہ بھی کر لیں تو اس پر اُف تک نہ کرتے؟

عہد شکنیاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم میں سے کس نے اپنے عہد کو توڑا ہے اور اپنے ماضی کو فراموش کیا ہے۔ مصری اخبارات ریڈیو، پبلک پلیٹ فارم تمام اس بات کے گواہ ہیں کہ شروع میں انقلابیوں نے اعلان کیا تھا کہ "ہم انگریز کتوں کے خلاف لڑیں گے اور ان ملعونوں کو سوئز سے نکال باہر کریں گے۔ ہمارے لیے صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے اور وہ مسلح مقابلے کا ہے۔ انقلابی مجلس کے ارکان سب سے آگے بڑھ کر استعمار پرستوں پر ہلہ بولیں گے۔ گفت و شنید اور نامہ و پیام ہمارے مقصد کے حصول کا ایک نہایت کمزور، بودا اور لاطائل ذریعہ ہے۔ مجلس کا حقیقی نصب العین یہ ہے کہ وہ انگریزوں کو مار مار کر بھگا دے اور انہیں ایسا سبق دے جسے وہ ہمیشہ یاد رکھیں۔" ان بلند بانگ دعووں کے ساتھ نیشنل گارڈز کی تنظیم شروع ہوئی اور تمام قوم نے اپنے آپ کو فوجی تربیت کے لیے پیش کیا۔ اخوانی نوجوان اس میں حصہ لینے کے لیے سب سے پیش پیش تھے لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد جمال عبدالناصر قوم کی تمناؤں اور ان کے دلوں سے اپنے آپ کو دُور کرتا چلا گیا۔ اور عوام فوجی راج سے تنگ آ گئے۔ عبدالناصر نے نیشنل گارڈز میں اخوان کی شمولیت کو بھی شک و شبہ بلکہ خطرہ کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا اور فوجی منطق و نفسیات وزیر اعظم کے ذہن پر غالب آ گئیں اور سامراجی ایجنٹوں نے بھی اُسے بہکانا اور بھٹکانا شروع کر دیا چنانچہ کچھ مدت کے بعد احکامات جاری کئے گئے کہ نیشنل گارڈز میں صرف "ھیئۃ التحریر" کے ممبروں کو بھرتی کیا جائے کیونکہ وطن کی حفاظت کی واحد سبیل یہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخوان کو اس میدان سے خارج کر دیا گیا اور گارڈز کی تنظیم مرجھا کر رہ گئی اس کے بعد کیا ہوا؟ انقلابیوں نے برطانویوں سے گفت و شنید کا وہی رشتہ پھر ہاتھ میں تھام لیا جسے وہ چھوڑ چکے تھے اور مسلح مٹھ بھیڑ اور نیشنل گارڈز کے سارے دعوے اور منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اب یہ ارشاد کیا جانے لگا کہ "مسلح لڑائی کا خیال نہور بے جا بلکہ کم عقلی اور کوتاہ نظری کی پیداوار ہے۔ انگریزوں کی قوم دیانت و امانت کی دولت سے مالا مال ہے اور نہر سوئز میں مقیم فوجیں ہماری معزز مہمان ہیں۔" رفتہ رفتہ ان معززین کے ساتھ مراسلات، مکالمات، مذاکرات

استقبال اور ضیافتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہو گیا جو انجام کار موجودہ معاہدے پر منتج ہوا۔

اخوان کا موقف یہ ہے کہ اگر مصر کے مفاد کی حفاظت مذاکرات و معاہدات کے ذریعے ممکن ہے اور اگر دشمن سے مفید اور نتیجہ خیز شرائط سیدھی طرح منوائی جا سکتی ہیں تو ایسا ضرور کیا جائے لیکن اس کام کو سرانجام دینے کے لیے اپنی قوم کے منہ اور آنکھوں پر پٹی باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس حرکت کے لیے کونسی معقول وجہ موجود ہے کہ جو آدمی اس معاہدے کے بارے میں منہ کھولے یا کسی دوسرے کو کھولنے کا مشورہ دے اُسے فوراً پکڑ لیا جائے، اور کسی اخبار کو بھی اس کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ اس موضوع پر تنقید کا ایک حرف بھی چھاپ سکے۔

دہشت پسند کون ہے؟ خوفناک دہشت و تشدد کی ایک مثال وہ ہے جو قاہرہ کی مسجد روضہ میں پیش آئی۔ یہ وہ مسجد ہے جسے اخوان نے تعمیر کیا تھا۔ اس مسجد میں اوّل روز سے اخوان کے خطباء ہر قسم کے دینی، اجتماعی اور قومی موضوعات پر اپنے خیالات پیش کرتے رہے ہیں۔ یہ ایک معروف حقیقت ہے کہ تعلیماتِ اسلام کی بنا پر اخوان اس امر کے قائل ہیں کہ مسجدیں مسلمانوں کا ایک ایسا پلیٹ فارم اور جائے اجتماع ہیں جہاں ان کے سارے دینی و دنیوی معاملات پر اظہار خیال اور بحث و تحقیق ہونا لازم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت تھی کہ جب مسلمانوں کو اجتماعی طور پر کوئی اہم اور نازک مسئلہ درپیش ہوتا تو ایک منادی بستی میں ندائے عام بلند کر کے کہتا تھا کہ "الصلوٰۃ جامعۃ" اس کے بعد سارے مسلمان مسجد میں جمع ہو جاتے تھے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اپنے اجتماعی، سیاسی اور عسکری معاملات پر غور و خوض کریں۔ چنانچہ اخوان المسلمون کے داعیوں کا بھی پچیس برس سے یہ قاعدہ رہا ہے کہ وہ مختلف مسائل پر مساجد میں خطبات دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ مسجد روضہ میں بھی اخوان کے دیرینہ خطیب حسن دوح وکیل ایک مجمع میں حسب معمول کھڑے ہوئے تاکہ وہ موجودہ انقلاب پر تبصرہ کریں۔ پہلے انھوں نے اس کے مفید نتائج اور خیر کے پہلو بیان کیے۔ ان کو بروئے کار لانے والوں کا شکریہ ادا کیا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید خیر کی توفیق دے۔ بعد میں انھوں نے موجودہ معاہدے کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ اس بارے میں قوم کے درمیان اتفاق نہیں ہے۔ اس لیے حکومت اور قوم کے حق میں بہتر یہی ہے کہ لوگوں کو آزادانہ اظہار رائے کی پوری اجازت دی جائے۔ آزادیٔ رائے کی مناسب حوصلہ افزائی کرنا اس کو دبا دینے کی بہ نسبت زیادہ مفید نتائج پیدا کرتا ہے۔ جونہی نماز ختم ہوئی پولیس کا ایک دستہ جوتوں سمیت مسجد میں گھس آیا اور انہوں نے نمازیوں کو بندوقوں کے کندوں سے مارنا شروع کر دیا۔ اسی پر بس نہیں کی بلکہ گولیاں برسانا شروع کر دیں اور بہت سے مسلمانوں کو زخمی کر دیا۔ استاذ دوح اور ان کے ساتھ چھبیس آدمیوں کو

گھیر لیا گیا، ان کے کپڑے پھاڑ دیے گئے اور انہیں کشاں کشاں جیل میں لے جا کر بند کر دیا گیا۔ مسجد میں مجروح ہونے والے بہت سے معصوم بچے بھی تھے جو والدین اور اعزہ کے ساتھ نماز ادا کرنے گئے تھے۔

یہ ہے جبر و قہر کی وہ ہولناک فضا جو معاہدہ سوئز پر دستخط کئے جانے کے وقت مصر میں چاروں طرف پیدا کر دی گئی۔ بعد میں جب انگریزوں اور انقلابیوں کے درمیان زبانی طور پر اس معاہدے کی تفصیلات طے کی جا رہی تھیں، اس وقت دہشت و ترہیب کی شدتوں میں مزید اضافہ ہوا اور ملک کے طول و عرض میں وسیع پیمانہ پر پکڑ دھکڑ اور دار و گیر کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ ان اسیران بلا پر جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے ان کی ایک مثال یہ ہے کہ ٹریننگ کالج کے پروفیسر استاذ محمد عاکف کو مسلسل دس دن تک سونے نہیں دیا گیا اور ساتھ اتنی جسمانی تعذیب کی گئی کہ ان کی تین پسلیاں ٹوٹ گئیں، ان کا دماغ مختل ہو گیا اور آخر کار انہیں پاگل خانہ میں بند کر دیا گیا۔

اخوان کو صرف مصر کے حدود کے اندر ہی انواع و اقسام کے ظلم و عدوان کا شکار نہیں بنایا گیا بلکہ فوجی آمروں نے پوری کوشش کی ہے کہ اخوان مصر سے باہر بھی چین سے نہ بیٹھنے پائیں اور کہیں سے کوئی آواز آمریت کی مرضی اور مزاج کے خلاف اٹھنے نہ پائے۔ دوسرے ممالک میں اخوان کی موجودگی اور سرگرمیوں پر وہاں کی حکومتوں سے احتجاج کیا گیا۔ اور اخوان کے پانچ بڑے رہنماؤں کو جو مصر سے باہر چلے گئے تھے مصری قومیت اور شہریت سے محروم کر دیا گیا۔ ان لوگوں کو ان کے اولین اور ابتدائی انسانی حق سے محروم کرنے سے پہلے ان کے خلاف کوئی الزام عائد نہیں کیا گیا اور کوئی ادنیٰ عدالتی کارروائی بھی نہیں کی گئی۔ مصر کی تاریخ میں تو کیا پوری تاریخ عالم میں ایسے ظلم کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ بین الملی قوانین میں سے ایک متفق علیہ ضابطہ یہ ہے کہ کسی ملک کے شہری کو سنگین سے سنگین جرم پر بھی قومیت سے محروم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اپنے وطن کی خاک سے انسان کو اسی طرح کی پیدائشی نسبت ہوتی ہے جس طرح کی نسبت اسے اپنے والدین کی جانب ہوتی ہے۔ یہ ایک دائمی اور فطری رشتہ ہے جو کسی حال میں بھی زائل اور منفک نہیں ہو سکتا۔ حکومت شام نے جب ان مہاجرین اخوان کو اپنے ہاں سیاسی پناہ گزین قرار دیا تو اس پر بھی احتجاج کی آواز بلند کی گئی۔

جبر و تشدد کے اس بھیانک ماحول میں معاہدے پر آخری حرف تصدیق ثبت کیا گیا اور اب غالب امکان اسی امر کا ہے کہ پورے ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا جائے گا اور ہر قسم کی جماعتی اور اجتماعی سرگرمیوں کا کلیتہً خاتمہ کر دیا جائے گا۔

جمال عبدالناصر پر حملہ اسی دہشت ناک فضا ہے جس میں جمال عبدالناصر پر گولی چلنے کا واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے۔ اب از روئے

عدل و انصاف اس واقعہ کی ذمہ داری اخوان پر کس طرح ڈالی جا سکتی ہے، جب کہ اس کے قائدین میں سے بعض جیلوں میں ہوں، بعض ملک بدر ہوں اور بعض کو اپنی آزادی اور جان کا خطرہ ہو۔ پھر اخوان کی تنظیم کا یہ حال ہے کہ وہ اب عوامی مراحل میں داخل ہو چکی ہے۔ اس کی رکنیت لاکھوں کی تعداد تک پہنچ چکی ہے، اور ارکان کے علاوہ ان گنت افراد اس تحریک سے متاثر ہیں۔ ایسی تحریک اور تنظیم کو نظم و ضبط کے حدود کے اندر رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے معاملہ فہم اور مدبّر رہنماؤں کے لیے ہمیشہ اس بات کا موقع باقی رہے کہ وہ کارکنوں تک اپنی قولی، عملی اور تنظیمی ہدایات پہنچاتے رہیں۔ لیکن دہشت و آمریت کی فضا میں اس طرح کے سارے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر انقلابی مجلس کا یہ دعویٰ ہے کہ اخوان کی تنظیم تمام تخریبی اور تشدد پسند عناصر پر مشتمل ہے اور اس کے پاس اسلحہ، بارود اور بموں کا ایک عظیم الشان ذخیرہ ہے۔ بالفرض اگر اس دعوے کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا حکومت کا تختہ الٹنے کا واحد طریقہ اخوان کے لیے بس یہ رہ گیا تھا کہ وہ قاہرہ سے پیدل اسکندریہ تک ایک آدمی کو بھیجے تاکہ وہ ہزاروں آدمیوں کے مجمع عام میں عبدالناصر سے بیس میٹر کے فاصلے پر کھڑے ہو کر پستول نکالے اور فائر کرنے کے بعد اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دے۔ پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ یہ حملہ آور گھر سے اخوان کی رکنیت کا فارم بھی پر کر کے اور جیب میں ڈال کر نکلا ہے تاکہ اس کی حیثیت غیر معلوم یا مشتبہ نہ رہے، بلکہ اچھی طرح مشخص ہو جائے۔ خدارا بتایا جائے کہ کیا خونیں انقلاب برپا کرنے والوں کا اسلوبِ آغاز اور طریقِ کار اسی قسم کا ہوتا ہے؟ اگر انقلابی اخوان سے انصاف نہیں کرنا چاہتے تو کیا وہ عام عقلِ انسانی سے بھی انصاف روا نہیں رکھیں گے؟

اخوان کہتے ہیں کہ فاروق ایک مرتبہ پہلے بھی تہمت اخوان کے خلاف لگا چکا ہے۔ ان کی جماعت کو توڑ چکا ہے اور انہیں جیلوں میں دھکیل کر اذیتیں دے چکا ہے لیکن نتیجہ لوگوں کے سامنے ہے۔ لوگوں کو معلوم ہے کہ عدالت نے آخر کار اخوان کو تمام الزامات سے بری قرار دیا ہے اور یہ فیصلہ دیا ہے کہ تشدد اور خونریزی کے واقعات کا باعث فقط شہری آزادیوں پر بندش اور جبر و استبداد تھا۔

مرکز اخوان میں آتشزدگی جمال عبدالناصر پر حملہ کے ساتھ ہی اخوان کے ہیڈ کوارٹرز کو جلا دینے کا واقعہ بھی رونما ہوا ہے جس کے بارے میں دعویٰ یہ کیا گیا ہے کہ غضبناک عوام نے عمارتوں پر دھاوا بول کر انہیں نذرِ آتش کر دیا ہے۔ آگ سارا دن جلتی رہی ہے حتیٰ کہ ہر چیز جل کر خاکستر ہو گئی ہے۔ اخوان کا جواب یہ ہے کہ یہ کارنامہ بھی حکومت نے ہیئۃ التحریر کے

ذریعہ سے خود سرانجام دیا ہے اور اس طرح کی حرکتوں کا نتیجہ قوم کے حق میں تباہی کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ حکومت کے اس بیان کو بھی کون عقلمند باور کر سکتا ہے کہ آگ لگ جانے کے بعد عمارت کا بچانا حکومت کے بس کا کام نہیں تھا۔ آتشزدگی کے اس ڈرامے کی پوری ایکٹنگ ملٹری افسر حسین عرفہ نے اپنی نگرانی میں کرائی ہے۔ انہوں نے باب الحدید، قاہرہ میں خود کھڑے ہو کر مشاہدہ کیا ہے کہ ملٹری پولیس کے تقریباً ایک ہزار سپاہیوں نے کوتوالی سے نکل کر ان مصنوعی مظاہروں میں خود شرکت و قیادت کی ہے جو قاہرہ کی گلیوں میں انقلابیوں کے حق میں کئے گئے ہیں۔ یہی مظاہرین تھے جنہوں نے تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ "آزادی مردہ باد" کے نعرے لگائے ہیں۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے حسین عرفہ کی رہنمائی میں سٹیٹ کونسل کے اجلاس میں جا کر ہڑبونگ مچائی اور اس معزز مجلس کے احترام کو پامال کیا۔ حتیٰ کہ صدر مجلس ڈاکٹر سنہوری پر بھی سنگینوں سے حملہ آور ہوئے۔ اور اگر ڈاکٹر سنہوری شجاعت کا ثبوت نہ دیتے اور اپنی مدافعت میں فائر نہ کرتے تو وہ یقیناً قتل کر دیے جاتے۔ یہ سب کچھ حسین عرفہ کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا، مگر اس نے فسادیوں کو ان ناپاک عزائم و افعال سے روکنے کی قطعی کوشش نہیں کی۔ یہی لوگ تھے جو نمائش اور مکر و فریب سے کام لے کر اس قسم کے نعرے بھی بلند کر رہے تھے کہ ہمیں شہری آزادیوں کی نہیں بلکہ پولیس اور فوجی راج کی ضرورت ہے"۔ یہی لوگ تھے جو بس سٹاپوں، گاڑیوں کے اڈوں اور ریلوے اسٹیشن پر کھڑے ہو کر پرامن شہریوں کو نقل و حرکت سے روکتے رہے ہیں اور پستول دکھا دکھا کر انہیں دھمکاتے اور بھگاتے رہے ہیں حتیٰ کہ ٹریفک بالکل معطل ہو گیا۔ پھر یہی لوگ تھے جنہوں نے میدان الحلمیہ کا رخ کیا تاکہ وہاں اخوان کے مرکز عام اور ملحقہ عمارت کو آگ لگائیں۔ جب یہ آگ لگا دی گئی تو عام پولیس اور فائر بریگیڈ کے آدمیوں کو جرأت نہیں ہو سکی کہ وہ جلتے ہوئے مکانات کے قریب آئیں۔ وجہ بالکل ظاہر تھی ان کو پیشگی ہدایات دی گئی تھیں کہ مداخلت نہ کریں۔ یہ آگ دن بھر بھڑکتی رہی اور اس کی زد سے سامان کتب حتیٰ کہ انسانی جانوں کے بچانے کی ادنیٰ کوشش بھی نہیں کی گئی۔ نہ ہی چاروں طرف جمع شدہ عوام کو ایسا کرنے دیا گیا، یہ ہے وہ حکومت جو ملک میں امن و امان کے قیام و بقا کی مدعی ہے۔

اس کے بعد وہ مرحلہ آتا ہے جب کہ اخوان کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا اور ان کی تمام املاک، جائدادیں، شفاخانے دفاتر اور ادارات ضبط کر کے هيئة التحرير کے سپرد کر دیئے گئے۔ ایسے ظلم اور زیادتی کی مثال مصر کی تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔ ان مظالم کے مرتکبین کو یاد رکھنا چاہیے کہ اخوان کے قلوب میں ایمان و عقیدہ کی جو زندگی اور

گرمی موجود ہے اسے شمشیر اور بندوق کے زور سے نہیں مٹایا جاسکتا۔ اخوان کی جماعت کو توڑ دینے، انہیں جیلوں میں ٹھونسنے، ان کی مملوکات کو ضبط کرنے، انہیں طرح طرح کے عذاب دینے، انہیں تختۂ دار پر لٹکا دینے کے باوجود ظالم اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے اور یہ ساری ستم ایجادیاں ظلم کی ناکامی اور خسران کا موجب ہوں گی۔ فاروق اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ یہ سارے حربے آزما چکا ہے مگر آج وہ کہاں ہے؟

فوجی عدالتیں انقلابی کونسل نے اخوان کو خلاف قانون قرار دینے کے بعد نام نہاد فوجی عدالتیں بھی قائم کی ہیں تاکہ وہ اخوان کے خلاف مقدمات کی سماعت کریں۔ یہ ظلم و عدوان کا ایک دوسرا عظیم عنوان ہے۔ قانون و انصاف کے کس تصور کی رو سے یہ جائز ہے کہ مدعی اور دشمن خود قاضی اور جج بن کے بیٹھ جائے؟ اور دشمن بھی کونسا جس نے پہلے سے مدعا علیہ کو کشتنی اور گردن زدنی قرار دے دیا ہے اور اس کے خون سے ہاتھ رنگنے کا ارادہ ظاہر کر دیا ہے۔ پہلی عدالت کا صدر جمال سالم ہے جو اپنے چھچھورپن اور کم ظرفی میں ضرب المثل ہے۔ اس کے ارکان انور السادات اور حسین شافعی ہیں جو پریس اور پلیٹ فارم کے ذریعہ سے اخوان کو گالیاں دینے میں رسوائے عام ہو چکے ہیں۔ ابھی تھوڑے ہی دن گزرے ہیں کہ سادات نے روز الیوسف میں (جمال پر حملہ سے قبل) یہ کہا کہ اخوان خائن ہیں انہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے اور شافعی نے ایک تقریر میں جو سارے پریس میں چھپ چکی ہے، یہ گل فشانی فرمائی ہے کہ مفسد اور فتنہ پرداز اخوان جہاں بھی ملیں انھیں پکڑو اور مارو۔ یہ "قاضی" جو مدعا علیہ کے بارے میں پیشگی فیصلے کا اعلان کر چکے ہیں، کیا انہیں از روئے عقل و انصاف یہ حق کبھی بھی پہنچ سکتا ہے کہ یہ "عدالت" جما کر بیٹھیں، اور اسی مدعا علیہ کے خلاف مقدمہ سنیں؟ اگر اخوان کے خلاف، جیسا کہ انقلابیوں کا دعویٰ ہے سنگین جرائم کا ثبوت موجود ہے، تو اسے عام ملکی عدالتوں میں کیوں نہیں لایا جاتا؟ کیا انہیں عدالتوں پر اعتماد نہیں ہے، یا وہ ڈرتے ہیں کہ اخوان کے حق میں کہیں ویسا ہی انصاف نہ ہو جائے جیسا کہ ۱۹۴۸ء میں ہوا تھا؟ اس وقت بھی اخوان کو خلاف قانون قرار دیتے وقت پورا مصری پریس اسلحے کے ذخائر اور سینکڑوں ٹن ڈائنامیٹ اور سازشوں کے افسانوں سے گونج اٹھا تھا۔ آخر کار ۱۹۵۲ء میں عدالت عالیہ نے اخوان کو ان تمام الزامات سے باعزت طریقے پر بری کر دیا تھا اور عدل و انصاف کی ایک قابل تقلید نظیر پیش کر دی تھی، بلکہ اس عدالت عالیہ کا صدر جب چند ماہ بعد ریٹائر ہوا تو وہ سیدھا اخوان کے دفتر میں پہنچا اور اس نے اخوان کی رکنیت کے رجسٹر میں اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ لکھے کہ "کنت احاکمھم فاصبحت منھم (ایک وقت وہ تھا کہ میں

اخوان کے مقدمہ کی سماعت کر رہا تھا اور ایک وقت یہ ہے کہ میں انہی میں سے ایک ہو گیا ہوں)۔

اصل بنائے نزاع کیا ہے؟ بہت سے لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ جمال عبدالناصر اور اس کے حواریوں میں اخوان کے خلاف اتنی عداوت اور اتنا بغض و عناد کیوں ہے؟ اخوان کا جواب یہ ہے کہ اس عداوت و عناد کے دو بڑے وجوہ ہیں ایک وجہ داخلی ہے اور وہ جمال کے مزاج کی فرعونیت اور تمرّد ہے۔ وہ ایسی خدائی کا ڈنکہ بجانا چاہتا ہے۔ جس میں نہ کوئی اسے مشورہ دے نہ کوئی اس سے اختلاف کرے اور نہ کوئی اس کے سامنے سر اٹھائے۔ جنرل نجیب کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا وہ اس کی واضح مثال ہے۔ پھر جمال نے اپنے فوجی دوستوں کے ساتھ بھی یہی کیا ہے۔ کسی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پھینک دیا ہے۔ کسی کو سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا ہے اور کسی کو منصب و ملازمت سے معزول کر دیا ہے اس کی مثال لفٹنٹ کرنل رشاد مہنا ہے، جس کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ ایک غیر معمولی شخصیت و صلاحیت کا مالک اور فوجی افسروں میں نہایت ہر دلعزیز ہے۔ اس "روشنی طبع" کی سزا اسے حبس دوام کی شکل میں ملی ہے۔ صرف رشاد ہی کا نہیں بلکہ رشاد کے بہت سے مداحوں کا بھی یہی انجام ہوا ہے اور اب جمال عبدالناصر کے گرد سارے وہ لوگ جمع ہیں جو خوشامدی، چاپلوس اور جی حضوریے ہیں۔ جب عام افراد کے بارے میں عبدالناصر کی روش یہ ہے تو بآسانی یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اخوان کے ساتھ اس کا سلوک کیا ہوگا جس کے نوجوان صرف خدا کی بندگی کرتے ہیں اور صرف حق کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں۔

فوجی آمریت کے مزاج کا یہ خاصہ ہے کہ وہ کسی ایسی تنظیم یا تحریک کو برداشت نہیں کر سکتی جو اس کے احکام کی بے چون وچرا تعمیل نہ کرے۔ چنانچہ قاہرہ یونیورسٹی کے چالیس ایسے پروفیسروں کو علیحدہ کر دیا گیا ہے، جنہوں نے محض علمی حیثیت سے معاہدۂ سویز سے اظہار اختلاف کیا ہے۔ انقلابیوں کے اخوان کے مخالف ہونے کی ایک اور داخلی وجہ انقلابیوں کا اسلام سے انحراف ہے۔ انقلابی مجلس بے دینی اور بے حیائی کے سیلاب کا مصر میں نہایت تیزی سے راستہ ہموار کر رہی ہے۔ اسی وجہ سے وہ اسلام کو رجعت پسندی کا نام دے کر بار بار ہدف ملامت بنا رہی ہے اس مجلس کے ارکان کے مشاغل کی ایک جھلک ہم پہلے دکھا چکے ہیں۔ نام نہاد انخلائے سویز کے نام سے ملک بھر میں جو جشن منانے کا پروگرام بنایا گیا تھا، ان میں کاریوکا، سامیہ جمال اور اسی طرح کے دوسرے ایکٹروں اور ایکٹرسوں کو بلایا گیا اور کونسل کے ممبروں نے ان پروگراموں میں خود شمولیت کی اور ناچنے اور گانے والوں اور والیوں کے گرد بیٹھ کر

تالیاں بجائیں۔ ان اعمال کے ساتھ ساتھ اسلام کے خلاف ان لوگوں کی قولی تصریحات کو اگر کوئی ملاحظہ کرنا چاہے تو اخبار "التحریر" کا وہ پرچہ دیکھ لے جو تین ہفتے قبل شائع ہوا ہے اور جس میں کمانڈر صلاح سالم نے ایک مضمون اس عنوان کے تحت لکھا ہے کہ "اخوان مصر میں کیسی حکومت چاہتے ہیں؟" اس میں کہا گیا ہے کہ "اخوان کا ارادہ یہ ہے کہ "سود" کو حرام کر دیا جائے، چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں، زانیوں پر کوڑے برسائے جائیں، اور بنکوں کے نظام کو لپیٹ دیا جائے۔ فوراً نہیں تو کم از کم تدریجاً اخوان یہی کچھ کرنا چاہتے ہیں" پھر سالم فرماتے ہیں کہ "قوم مطمئن رہے کہ ہم قوم اور اس کے مستقبل کے محافظ ہیں"۔

دوسرا اور خارجی عنصر جو اخوان اور فوجیوں میں باہمی کشمکش کا باعث ہے وہ اینگلو امریکی مکر و سیاست ہے۔ اینگلو امریکی بلاک نے اب مصر کے حکمرانوں کو اپنے مصالح کے بالکل تابع بنا لیا ہے اور آئندہ جنگ کے لیے ایک خیمہ بردار کی حیثیت سے اپنی دم کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ایک سال سے جمال عبدالناصر اس بات پر ایمان لا چکے ہیں کہ مغربی طاقتوں کا حلیف بننا ناگزیر ہے اور مصر کی اقتصادی مشکلات کے لیے امریکی امداد لیے بغیر چارہ نہیں ہے چنانچہ جمال عبدالناصر نے امریکہ میں اپنے سفیر ڈاکٹر احمد حسین کی وساطت سے امریکہ سے امداد کی باقاعدہ درخواست کی ہے۔ امریکہ نے اس کے لیے تین شرائط پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ انگریزوں سے سویز کے بارے میں معاہدہ کیا جائے، دوسرے یہ کہ اسرائیل سے صلح کی جائے اور تیسرے یہ کہ الاخوان المسلمون اور اشتراکیوں کا مصر میں خاتمہ کر دیا جائے۔

ساری دنیا کو معلوم ہے کہ ان شرائط میں سے کچھ پوری کی جا چکی ہیں اور بقیہ کی تعمیل کی جا رہی ہے۔ انگریزوں سے معاہدہ اس شرط پر ہو چکا ہے کہ انگریز جب بھی سمجھیں گے کہ مصر یا کسی دوسرے عربی ملک یا ترکی کو خطرہ لاحق ہے تو وہ فوراً نہر سوئز میں اپنی فوجیں اتار دیں گے۔ برطانیہ اور امریکہ کو اس سے زیادہ کیا مطلوب ہو سکتا ہے؟ اسرائیل کے نمائندوں سے کونسل کے ارکان کی ملاقاتوں کی روداد اخوان پہلے نشر کر چکے ہیں۔ صلاح سالم، احمد حسین اور محمود عزمی اس امر کا اعلان کر چکے ہیں کہ اسرائیل کے خلاف ہم ہرگز معاندانہ یا جارحانہ ارادے نہیں رکھتے۔ اخوان اور دوسرے مصری ۱۹۴۸ء کے خون سے فلسطین کی سرزمین ابھی تک لالہ زار بنی ہوئی ہے اور انقلابی کونسل کے ارکان یہ نیا راگ الاپ رہے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر صدمے کا باعث محمود عزمی کا وہ انکشاف ہے جو انہوں نے کچھ عرصہ پہلے کیا ہے کہ مصر کی اجازت سے اٹھارہ اسرائیلی سٹیمر سویز سے گزر کر حیفہ پہنچے ہیں اور باون اسرائیلی

جہاز حیفہ سے اسرائیلی مصنوعات کو لاد کر اور سویز سے گزر کر دنیا کی مختلف منڈیوں میں جا چکے ہیں۔ عربی ممالک کی حکومتیں جو مصری حکومت سے مل کر اسرائیل کے مقاطعے کی تدابیر سوچ رہی تھیں وہ اس انکشاف کو دیکھ کر دنگ رہ گئی ہیں۔ انگریزوں اور یہودیوں سے صلح صفائی کے بعد اب امریکی امداد کا معاہدہ بھی عمل میں لایا جا رہا ہے۔

اخوان کی دعوت نہیں مٹ سکتی آخر میں اخوان یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ عالم عرب اور عالم اسلام کے خلاف ہر سازش اور ہر ضرب کا وہ اپنے تپتے ہوئے سینوں سے مقابلہ کریں گے۔ اخوان یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ جس دعوت پر وہ ایمان رکھتے ہیں اس ایمان کی آگ دُنیائے عرب کے لاتعداد شہروں اور دیہات کے لاکھوں نوجوانوں کے قلوب میں سلگ رہی ہے۔ اس ایمان کو ان کی ماؤں نے اپنے دودھ کے ساتھ اخوان کی رگوں میں اتارا ہے، دنیا کی کوئی طاقت اس ایمان کو محو کرنے میں انشاءاللہ کامیاب نہیں ہوگی۔ اخوان اس داستان خونچکاں کو قرآن کے ان الفاظ کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے)

(بقیہ از صفحہ ۲۷)

واجبات کو فوراً مشروط اور مقید بھی کر دیتی ہے۔ حکومت کے لیے کسی ملازم یا غیر ملازم کو مخالفِ اسلام احکام دینا جائز نہیں ہے اور اسی طرح مامور کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ آمر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوئے کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے کہ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق اور من امرکم من الولاة بغیر طاعة اللہ فلا تطیعوہ (مخلوق کی اطاعت خالق کی معصیت میں جائز نہیں اور حکام میں سے جو تمہیں اللہ کی فرمانبرداری کے خلاف حکم دے تو اُس کی اطاعت مت کرو) (باقی)